فتوی نویسی: اہمیت و معنویت اور تاریخ و ارتقا

(Fatwa Writing: Significance, History and Evolution)

Dr. Muhammad Ismail Khan

Assistant Professor of Islamic Studies, GC Oghi, Mansehra

Dr. Qazi Furqan Ahmad

Assistant Professor of Islamic Studies University of Gujrat, Gujrat

Dr. Saima Munir

PhD Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha

Abstract

A fatwa is a non-binding legal opinion on a point of Islamic law (*Sharī'ah*) given by a qualified Jurist (*Muftī*) in response to a question established by a private individual, judge or government. Issuing fatwas is called *Iftā'*. This paper explores the significance, history and evolution of issuing a Fatwa. It finds that *Iftā'* and fatwa is an exclusive Muslim intellectual tradition that provides *Sharī'ah* based solutions for the problems having no clear solution in Quran, *Ḥadīth* and sayings of the pious companions of the Holy Prophet (ﷺ). In this age of globalization, knowledge and research, utility of Fatwa and its need has been increased even more than ever before.

Key Words: Fatwa, significance, history, evolution

تمہید

گلوبلائزیشن کے اس دور میں تجارت وملازمت اور صنعت وحرفت کی نئی نئی شکلوں نے جنم لیا ہے، میڈیکل سائنس کے حیران کن ریسرچ نے علاج اور تحفظِ انسان کے لیے نئی نئی ایجادات پیش کی ہیں، انسان آسمانوں پر اپنی آبادی بسانے لگا ہے، مختصر یہ کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی نئی راہ کھل چکی ہے۔ اس صورتِ حال میں فقہ وفتاوی ایسا فن بن گیا ہے جس سے کوئی مفر نہیں، ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہے، یعنی وہ ایک مکمل نظامِ حیات کا پابند بھی ہو اور

اسے اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں فتوی کی ضرورت پیش نہ آئے، ایسا ممکن ہی نہیں؛بلکہ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق واعمال میں سیکڑوں ایسے مواقع آتے ہیں، جہاں اسے فتوی کی ضرورت کا احساس ہوتا۔ زیرِ نظر سطور مین اسی تناظر میں فتوی نویسی کی اہمیت و معنویت اور تاریخ وارتقاپر بحث پیشِ نظر ہے۔

مفہوم اور معنویت

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں[1]۔فتویٰ لغوی اعتبار سے اسمِ مصدر ہے اور اس کی جمع "فتاویٰ"ہے، اس کا مادہ (ف۔ت۔ی) ہے۔قرآنِ کریم میں لفظ فتویٰ اپنے مشتقات کے اعتبار سے مختلف مقامات پر اکیس بار استعمال ہوا ہے۔ان میں سے دس مقامات پر تو یہ لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جبکہ گیارہ مقامات پر یہ لفظ تحقیق وتدقیق کے معنوں میں آیا ہے۔[2]احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ان احادیث مبارکہ میں یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے۔فتویٰ دینے والے شخص کو مفتی[3] فتویٰ لینے والے کو مستفتی[4]اور سوال کو استفتاء کہتے ہیں۔[5] فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے اقتصادی ،معاشی ،سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرے کے لوگ ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے؟ معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ان مسائل کے حل کے لیے اس دور کے اہلِ علم نے کس نہج پر سوچ وبچار کی اور کن اصولوں کو پیش نظر رکھا؟ نیز ان فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر کتنے گہرے اثرات مرتب کیے، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک ،امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل،امام مالک،ابن تیمیہ اور برصغیر میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کے فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔

فتوی نویسی کا ارتقا

فتوی نویسی کی ایک طویل روایت ہے، جو عہدِ نبوی سے لے کر اب تک ایک تسلسل سے جاری وساری ہے۔ ذیل کی سطور میں اس کے تاریخی ارتقا سے متعلق اہم حقائق پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے:

عہد نبوی میں افتا

---

[1] شیخ حسین محمد ملاح،الفتویٰ نشاتہا و تطورھا(دمشق: دار الفکر، س ن)،1: 398۔

[2] شیخ عبدالسلام رستمی،احسن الکلام (پشاور: مکتبہ حقانیہ،2001ء)1:426 ۔

[3] ابو الفضل مولانا عبدالحفیظ،مصباح اللغات (کراچی، قدیمی کتب خانہ،2005) 618۔

[4] فیروزالدین بلیاوی،فیروز اللغات(لاہور: فیروز سنز،2012)91۔

[5] بلیاوی،مصباح اللغات،618۔

سب سے پہلے جنھوں نے منصب افتا کو سنبھالا وہ خود سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ ہیں۔آپ علیہ السلام ہی مفتی تھے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارد شدہ وحی کے ذریعے لوگوں کو حکم شرعی بتلاتے تھے۔ بعض اوقات صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات کے جوابات نبی کریم اپنے ارشادات سے بھی دیتے تھے؛ چنانچہ کتبِ حدیث اور کتب سیرت میں ان پوچھے گئے سوالات کے جوابات ملتے ہیں۔ نبی کریم کے عہد میں تحریری و تقریری دونوں طرح سے فتویٰ دیے جاتے تھا۔[6] آپ ﷺ کے فتاویٰ احکام کے جامع ہوتے ہیں اور یہ قرآن مجید کے بعد شریعت کا بڑا ماخذ ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان فتاویٰ کو سینوں اور اوراق میں محفوظ کرتے تھے۔نبی کریم کے عہد کے ان فتاویٰ پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا تبصرہ یہ ہے: "آپ کے فتوے جامعِ احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوا کرتے تھے۔ یقیناً پیروی کے اعتبار سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپ کے فتاویٰ کا ہے۔اور مومنین کے لیے کسی بھی صورت میں ان سے انحراف ممکن نہیں۔"[7]

فتویٰ دینے کا جو طریقہ آج کل رائج ہے، وہ صرف جائز و ناجائز اور حلال وحرام کی صراحت کر دینے کا نام ہے؛ لیکن نبی کریم کا اسلوب افتا اس سے مختلف تھا۔ اگرچہ آپ کا قول بذات خود حجت تھا؛ مگر آپ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت اور اس کی علت بھی بتا دیتے تھے۔اس حوالہ سے شیخ محمد شفیق العانی فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے۔وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے اور مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے تھے۔"[8] آپ ﷺ کے زمانے میں کوئی دوسرا شخص منصب افتا پر فائز نہیں ہوا،ہاں کبھی کبھی آپ ﷺ نے افتا اور قضا کا کام اپنے بعض صحابہ کے سپرد فرمایا ہے اور شاید اس کا مقصد ان حضرات کو اجتہاد اور استنباط کی عملی مشق کرانا تھی۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"ان رجلين اختصما الى النبى ﷺ،فقال لعمرو:اقض بينهما،فقال:اقضى بينهما وانت حاضر يا رسول الله!قال:نعم على انك ان اصبت فلك عشر اجور، وان اجتهدت فاخطات فلك اجر۔"[9] "دو افراد اپنا جھگڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو،انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کی موجودگی میں، میں فیصلہ کروں؟آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں تم فیصلہ کرو۔اگر تم نے درست فیصلہ کیا تو تمھارے لیے دس اجر ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہارے لیے ایک اجر ہے۔"اس کی دوسری مثال وہ ہے جو مسند احمد میں حضرت معقل مزنی سے منقول ہے:"امرنى النبى ﷺ ان اقضى بين قوم ،فقلت ما احسن ان

---

[6] ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ: 1998ء، ص:86۔

[7] ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین (مکہ مکرمہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز) 1 :14۔

[8] محمد شفیق العانی، الفقہ الاسلامی (بیروت: مطبع البیان العربی، 1965)، 6۔

[9] ابو عبداللہ حاکم محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ النیساپوری، متوفی 405ھ، المستدرک علی الصحیحین (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ب ت)، کتاب الاحکام، 16: 226، رقم الحدیث: 7104۔

اقضی یا رسول اللہ!قال:اللہ مع القاضی ما لم یحف عمدا۔"[10]"مجھے نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا، تو میں نے عرض عرض کیا اے اللہ کے رسول ! میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر پاتا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت تک قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ جان بوجھ کر ظلم نہ کرے۔" لیکن جب اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا، دور دراز علاقوں میں اسلام کی بازگشت سنائی دینے لگی،مدینہ اور اطراف مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور بلاد بعیدہ سے سفر کرکے آپ کی خدمت میں آنا اور سوال معلوم کرنا سیاسی ومعاشی ہر دو لحاظ سے دشوار ہوگیا، تو آپ ﷺ نے اہل علم صحابہؓ کو لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ان علاقوں میں بھیجا، صحابہ کرامؓ نے وہاں جاکر لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دی اور منصب افتا کے فرائض حسن وخوبی کے ساتھ انجام دئے؛ چنانچہ المصباح کے مصنف لکھتے ہیں:

> "ولم يكن أحد في عهد رسول الله يشتغل بمنصب الإفتاء غيره غير انه عليه السلام ربما بعث بعض الصحابة إلى البلاد النائية فأذن لهم بالإفتاء والقضاء۔ "[11]
>
> "آپ ﷺ کے زمانہ میں آپ کے علاوہ کوئی بھی اس منصب پر فائز نہ تھا البتہ آپ ﷺ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دور دراز علاقوں میں بھیجتے تو ان کو افتا اور قضا کی بھی ذمہ داری عطا فرماتے۔"

حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنا چاہا تو ان سے پوچھا کہ جب تمھارے پاس مسئلہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کروگے ؟انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے کتاب کے مطابق فیصلہ کرونگا۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر تم نے کتاب اللہ میں نہ پایا تو کیا کروگے ؟انہوں نے عرض کیا: کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرونگا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے سنت رسول اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پایا تو کیا کروگے ؟انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے کے ذریعے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا،آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو ایسی بات کی توفیق دی جس نے اللہ کے رسول کو راضی کردیا"[12] بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے مطابق عمل کرنا ثابت ہے۔اسی طرح کی ایک اور روایت ہے کہ: "جب تم سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے تو تم کتاب اللہ میں دیکھو، اگر کتاب اللہ

---

[10] ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، 2001)33 :42؛ رقم الحدیث: 20305، حدیث معقل بن یسار۔

[11] ۔المصباح، 58:1۔

[12] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، سنن الترمذی (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، باب ماجاء القاضی کیف یقضی، رقم الحدیث: 1327۔

میں نہ پاو تو سنت رسول اللہ میں دیکھو، اگر وہاں بھی نہ پاو تو وہ جواب دو جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو، اگر وہ سوال ان میں سے بھی نہ ہو تو تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔"[13] اس روایت اور اس طرح کی دیگر روایات وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث معاذ رضی اللہ عنہ پر عمل کیا ہے۔

عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتویٰ

آپ ﷺ کے بعد اس عظیم الشان منصب پر آپ کے وہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ فائز ہوئے جو آپ کی وراثت کے اولین محافظ و امین تھے۔ ان کے بارے میں امت کا متفقہ فیصلہ ہے: "الین الأمة قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا واحسنها بیانا واصدقها ایمانا واعمها نصیحة واقربها إلی الله وسیلة۔"[14] "صحابہ کرامؓ امت میں سب سے زیادہ نرم دل، سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح ایمان میں سب سے سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے اور اللہ کے وسیلہ کے اعتبار سے قریب تر ہیں۔"

صحابۂ کرام میں جو حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ زائد تھی، جن میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، البتہ جو حضرات زیادہ فتویٰ دیتے تھے ان کی تعداد سات ہے، جن کے نام یہ ہیں: حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے ہر ایک کے فتاویٰ ایک ضخیم کتاب میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ ہیں جن سے درمیانی تعداد میں فتاوی منقول ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت ام سلمیٰ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابو بکرہ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان سب حضرات میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک بہت مختصر جزء (کاپی) تیار ہو سکے۔ ان کے علاوہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بہت کم فتویٰ دینے والے تھے۔[15]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فتویٰ نویسی میں کمالِ احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار کم سے کم کرتے تھے۔ ہر مسئلہ قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس مبارک

---

[13] ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی، سنن دارمی (سعودی عرب: دار المغنی للنشر والتوزیع)، 1: 64؛ باب القتیا ومافیہ من الشدۃ

[14] ابن قیم، اعلام الموقعین، 1: 5۔

[15] مولانا منصور احمد، فتویٰ (لاہور: ادارہ اسلامیات، 2017ء) 68، 69۔

دور میں بھی تمام صحابہ کرام خود مسائل مستنبط نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ فریضہ چند اہل علم ہی ادا کرتے تھے اور باقی حضرات ان کی پیروی کرتے تھے۔ پھر آج کے دور میں، جب کہ علم و عمل میں بہت کمی آچکی ہے، ہر شخص کو یہ دعوت کیسے دی جاسکتی ہے کہ وہ براہ راست قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے مسائل واحکام مستنبط کرے اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کرنے کی بجائے از خود ہی مجتہد بن بیٹھے۔

عہد تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں فتویٰ

صحابۂ کرام کے بعد اس ذمہ داری کو ان کے شاگردوں نے سنبھالا اور مختلف بلادِ اسلامیہ میں اس خدمت کو انجام دیا، چنانچہ تابعین میں سے مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابو سلمہ، حضرت عروہ، حضرت عبید اللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید رحمہم اللہ، منصب افتاء پر فائز تھے۔ اور مکہ مکرمہ میں حضرت عطا بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ اور عبدالمالک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔ کوفہ میں حضرت ابراہیم نخعی، عامر بن شراحیل وغیرہ اور بصرہ میں حضرت حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول رحمہم اللہ، اس کام کو انجام دیتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین نے صحابۂ کرام کے فقہی افکار اور فتاویٰ کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دیدی۔ اسی دور میں صحابۂ کرام کے شاگردان رشید نے ان کی آراء اور فتاویٰ کو عام کیا اور بہت سے فقہی مکاتب و مسالک وجود میں آئے۔ اس دور کے بچ جانے والے فقہی مسالک کو مجتہدین کا دور کہا جاتا ہے۔ جو یہ ہیں: فقہ حنفی (امام ابو حنیفہ)، فقہ شافعی (امام شافعی)، فقہ مالکی (امام مالک)، فقہ حنبلی (امام احمد بن حنبل)، فقہ جعفری، (امام جعفر صادق)، فقہ اباضی (امام عبداللہ بن اباض)، فقہ ظاہری (امام داؤد ظاہری)، فقہ اوزاعی (امام اوزاعی)، ان تمام حضرات میں سے اولین چار فقہا کو شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے امام ابو حنیفہ نے فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتماعی رائے کو ترجیح دی۔ انھوں نے چالیس فقہا کی ایک مجلس قائم کی جو باہمی غور و خوض کے بعد مسئلہ کا حل تلاش کرتی اور پھر اس مسئلہ کو لکھ لیا جاتا۔ امام صاحب کی اس مجلس نے بڑی تعداد میں فتاویٰ اکھٹے کیے۔ امام صاحب کے دور میں کوفہ میں تین بڑے فقہیہ سفیان بن سعید ثوری، شریک بن عبداللہ نخعی اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی موجود تھے۔ ان حضرات سے فقہی آرااور فتاویٰ کے حوالے سے امام صاحب کی علمی بحث چلتی رہتی تھی۔ اس دور کی فتویٰ نویسی اور اس دور کے علماکے علمی اور فکری اختلافات اور دلائل و براہین دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ائمۂ مجتہدین کے دور میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا۔ مسائل کی کثرت اور سلطنت کی وسعت نے جدید مسائل پر غور و خوض کرنے پر آمادہ کیا۔ اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ اس دور میں قیاس اور استحسان کو ماخذِ شریعت قرار دینے پر اختلاف ہوا۔ اسی اختلاف کے نتیجے میں اہل الرائے اور اہل الحدیث کے مکاتب وجود میں آئے۔ ائمۂ مجتہدین کے اس دور میں اگرچہ اختلافات سامنے آئے، لیکن ان فقہی اختلافات میں اس درجہ شدت نہیں تھی کہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہ کیا جائے۔

امام بغوی نے اپنے فتاویٰ خود جمع کیے اور ان کی زندگی ہی میں قاضی حسین نے ان سے مزید فتاویٰ حاصل کیے اور ان پر تعلیقات لکھیں۔[16] اسی طرح علامہ سُبکی نے بھی دو جلدوں میں فتاویٰ اکٹھا کیے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی "الحاوی للفتاویٰ" کے نام سے اپنے فتاویٰ کتابی شکل میں جمع کیے۔ اس دور کے فتاویٰ میں تجدید احیائے دین کے مسائل پر غور وخوض ہوا۔ بروکلمان نے تاریخ ادبیات میں تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک کے ایک سو دو عربی مجموعہ ہائے فتاوی کی فہرست دی ہے۔[17] اس دور میں سلطنتِ عثمانیہ کے زیر سایہ ایک جامع فقہی کتاب مرتب کی گئی جس کا نام "مجلۃ الأحکام العدلیہ" رکھا گیا۔ سلطنت عثمانیہ نے اسے ملکی قانون کے طور پر رائج کر دیا۔ اس کتاب میں تمام فقہاء کے فقہی افکار سے استفادہ کیا گیا۔ اس کا آغاز 1856ء میں ہوا اور 1876ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یہ سلطنتِ عثمانیہ کا پہلا مدون قانون تھا جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔[18] اس کام کے بہت دور رس نتائج بر آمد ہوئے اور فقہ اسلامی ایک جدید دور میں داخل ہو گئی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: "جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو "مجلۃ الأحکام العدلیہ" پوری سلطنتِ عثمانیہ کی حدود مشرقی یورپ کے کئی ممالک، ترکی، وسط ایشیاء کا کچھ حصہ، عراق، شام، فلسطین، لبنان، الجزائر، لیبیا، تیونس اور جزیرہ عرب کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ گویا 1876ء سے لے کر 1925ء تک کا زمانہ "مجلۃ الأحکام العدلیہ" کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔"[19] علامہ خضری بک نے تاریخ التشریع الاسلامی میں فقہ اسلامی کی تاریخ کو چھ ادوار میں تقسیم کیا ہے، جن کا خلاصہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا دور: عہد نبوی میں فقہ وافتا

عہد نبوی میں فقہ وافتا کا تعلق براہ راست نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھا، اس دور میں اسلام کی نشو ونما ہو رہی تھی، مقاصد دینیہ پر زور تھا، ضروریاتِ زندگی محدود ہونے کی بناء پر مسائل وحوادث کا ظہور کم ہوتا تھا اور ایک سادہ معاشرے میں جو مسائل پیش آجاتے تھے تو بارگاہِ رسالت سے ان کی شرعی راہنمائی بآسانی مل جایا کرتی تھی۔ باقاعدہ تدوین فقہ ہوئی تھی نہ اس کی ضرورت تھی۔ اس دور میں فقہ اسلامی کے دو ہی مآخذ تھے یعنی قرآن کریم اور تعلیمات نبویہ ﷺ۔[20]

---

[16] علامہ محمد الخضری بک، تاریخ التشریع الاسلامی، ترجمہ۔ تاریخِ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی (لاہور: اسلامی اکادمی، اردو بازار)، 133۔

[17] معارف (اعظم گڑھ)، (فروری 1998ء): 90۔

[18] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ (لاہور: اردو بازار، الفیصل سنز، ناشران وتاجران کتب)، 521۔

[19] محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، 521۔

[20] علامہ محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردو ترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

عہدِ صحابہ

علامہ خضری بک نے عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کو دوسرا حصہ قرار دیا ہے جو وصال رسالت مآب ﷺ سے سن 40 ہجری تک کا دور ہے۔ متفرق طور پر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس لکھے ہوئے حدیثی ذخیرے موجود تھے جن کے مذاکرے اور سماع وقراءت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ نیز فقہ کی تدوین کا سلسلہ بھی تاحال شروع نہیں ہوا تھا، البتہ پیش آمدہ مسائل میں افتا اور اجتہاد کا عمل ضرور قائم تھا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالترتیب کتاب وسنت میں غور وتدبر کے بعد جو مسائل نہ ملتے تو اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہی طرز عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا، مزید براں نصوص میں حکم نہ ملنے کی صورت میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً فقہا صحابہ سے مشاورت کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔[21]

عہدِ تابعین

علامہ خضری بک نے صغار صحابہؓ وتابعینؒ کے دور کو تیسرا مرحلہ قرار دیا ہے۔ یہ دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت (41 ہجری) سے قرن ثانی کی ابتدا تک کے زمانے پر محیط ہے۔ اس دور میں فتنے بڑھ گئے تھے، اس لیے روایت حدیث میں احتیاط کے کئی مزید اصول طے ہوگئے تھے اور تدوین حدیث کا بھی آغاز ہو چلا تھا۔ نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسے فقیہ بھی اسی دور کا حصہ ہیں، جنھوں نے فقہ اسلامی کی تدوین میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ہر شہر میں مفتیان کرام کی ایک جماعت بھی افتا کا میدان گرم کیے ہوئے تھی۔[22]

چوتھی صدی کے آغاز سے چوتھی صدی کے نصف تک

علامہ خضری بک کی تقسیم کے مطابق یہ فقہ اسلامی کی تاریخ کا چوتھا مرحلہ ہے جو دوسری صدی کے آغاز سے چوتھی صدی کے نصف تک طویل زمانے پر محیط ہے۔ یہی دور ہے جس میں تدوین حدیث اور تدوین فقہ جیسے معرکہ آراء کارنامے انجام پائے اور ائمہ فقہا ومحدثین کے نفوس قدسیہ کا ظہور ہوا۔ تدوین فقہ کے میدان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد اور امام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی خدمات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اہل علم وفقہا کی ایک شوریٰ ترتیب دی تھی جس میں مسائل پر غور وخوض ہوتا، دلائل کا مناقشہ ومباحثہ ہوتا، متفقہ مسائل لکھے جاتے اور اختلافی امور بھی سپرد قلم کیے جاتے۔ ان مجالس میں جہاں پیش آمدہ مسائل پر بحث ہوتی وہیں مستقبل میں پیش آنے والے حوادث بھی زیر بحث آتے، یوں "فقہ تقدیری" کا ایک ذخیرہ وجود میں آیا جو فقہ حنفی کا ایک امتیاز ہے۔ نیز افتا کا نظام بھی مستحکم ہوا، فقہا کے مناہج طے ہوئے،

---

[21] ۔ علامہ محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردو ترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

[22] ۔ علامہ محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردو ترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

اصول استنباط واستخراج متعین ہوئے ، جن کی بنیادپر مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے،اور تکوینی طورپران میں سے چار مشہور مسالک کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔[23]

چوتھی صدی کے وسط سے سلطنت عثمانیہ کے زوال تک

یہ مرحلہ چوتھی صدی کے وسط سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک پر مشتمل ہے۔ یہ دور فقہی مذاہب میں توسع اور تقلید کے شیوع کادور ہے، مرورِزمانہ سے ہمتیں پست ہوئیں اور کم علمی وجہالت پر قناعت کا بازار گرم ہوا۔اس دور میں مختلف فقہی مسالک کے مقلدین میں مناظرہ بازی کاایک مذاق بھی پیداہواجس کے مثبت ومنفی اثرات پڑے ،البتہ فقہی ذخیرہ میں بھی قابل قدراضافہ ہوا، چنانچہ اسی دور میں تفریعات وتخریجات پر مشتمل کتب کاایک کتب خانہ تیار ہوگیا۔ حنفیہّ میں فقیہ ابواللیث سمرقندی، امام قدوری، ابوزید دبوسی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، بزدوی، کاسانی ،مرغینانی، صاحب ہدایہ، دیگر فقہی مذاہب کے ابن عبدالبر، ابن رشد، ابوولید باجی، قاضی عیاض، امام الحرمین عبدالملک الجوینی، امام غزالی اورامام نووی جیسے ناموراہل علم وفقہاء اسی دور کی یادگارہیں۔ بہر کیف اس زمانے میں بھی فقہ وافتا کاسلسلہ یوں ہی جاری وساری رہا۔ مجموعی اعتبار سے یہ فقہ کی ترتیب وتہذیب اوراختیار وترجیح کادور ہے۔[24]

سقوطِ بغداد سے عصرِ حاضر تک

یہ مرحلہ سقوط بغداد سے دور حاضر پر مشتمل ہے ،اس زمانے میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل اہل علم کمیاب ہوگئے ،علامہ سیوطی وغیرہ جن اہل علم نے اجتہاد مطلق کادعویٰ کیابھی تودیگر علما نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ شروح وحواشی اوراختصار کارجحان اس دور میں زیادہ رہاہے، نیزآخری زمانے میں تسہیل کاایک اور رجحان ابھرا ہے۔ اس زمانے میں ابن عبدالسلام، ابن حاجب، ابن تیمیہ ،ابن قیم، ابن ہمام، سبکی اور سیوطی جیسے اہل علم گزرے ہیں۔اور آخری دور میں علامہ کوثری اور علامہ انورشاہ کشمیری جیسی عبقری ہستیاں بھی رہی ہیں۔خلافت عثمانیہ بھی اسی طویل دور کا حصہ ہے، جس میں افتاء کانہایت مستحکم نظام رہاہے، شیخ الاسلام کامنصب اس کاامتیازی کارنامہ ہے، جو چیف جسٹس بھی ہوا کرتا تھا،اس دور میں افتاکانظام کافی مرتب ومنظّم شکل میں سامنے آیا، چنانچہ اہل علم نے آدابِ استفتاء وافتاء پر باقاعدہ کتابیں لکھیں اور ہر خطے میں دارالافتاؤں کاایک سلسلہ قائم ہوا۔[25]

برصغیر پاک وہند میں فتویٰ نویسی

برصغیر میں فتویٰ نویسی کاسلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ جب اس براعظم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں تو فتووں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جگہ جگہ مساجد ومدارس قائم ہوئے اور علماے کرام نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کاآغاز کیا۔

---

[23] ۔علامہ محمد الحضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردوترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

[24] ۔علامہ محمد الحضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردوترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

[25] ۔علامہ محمد الحضری، تاریخ التشریع الاسلامی، اردوترجمہ، تاریخ فقہ اسلامی، مولانا عبدالسلام ندوی، 3-40۔

مسلمانوں سے غیر مسلموں نے بھی استفسارات کیے ہیں، چنانچہ اس قسم کے استفسارات کا حال بزرگ بن شہریار کی کتاب "عجائبُ الہند" سے معلوم ہوتا ہے۔[26] ہندوپاک کے مسلمان بادشاہوں کو فقہ اسلامی سے خاص دلچسپی تھی۔ سلطان محمود غزنوی زبردست فقیہ تھے۔ انھوں نے "التفرید فی الفروع" نامی کتاب لکھی جس میں فتاویٰ اور فقہی مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ظہیر الدین بابر نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی۔[27] ان مسلمان بادشاہوں نے فتاویٰ فیروز شاہی، فتاویٰ ابراہیم شاہی، فتاویٰ اکبر شاہی، فتاویٰ عادل شاہی، فتاویٰ تاتار خانی اور فتاویٰ عالمگیری میں خصوصی دلچسپی لی۔ فتاویٰ عالمگیری کو ان سب میں زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں عالمگیر نے مولانا عبداللہ رومی سے اس کا فارسی ترجمہ کروایا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا امیر علی لکھنوی نے "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے کیا۔[28] برصغیر ہندوپاک میں جو فتاویٰ مرتب ہوئے وہ اکثر حنفی علما کے ہیں، اگرچہ جنوبی ہندوستان میں اس حوالے سے شافعی علماء کا بھی کام موجود ہے؛ مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ذیل کی سطور میں برصغیر کے چند علماے کرام کے فتاویٰ کے نام تحریر کیے جاتے ہیں: فتاویٰ عزیزی (مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی)، مجموعۃ الفتاویٰ (مولانا عبدالحہ لکھنوی)، جامع الفتاویٰ (مولانا عبدالفتاح حسینی نقوی)، فتاویٰ مسعودی (مولانا مسعود شاہ دہلوی)، فتاویٰ رشیدیہ (مولانا رشید یہ احمد گنگوہی)، فتاویٰ ارشادیہ (مولانا ارشاد حسین رامپوری)، فتاویٰ محبوبیہ (مولانا احمد حسین خان امروہی)، فتاویٰ قادریہ (مولانا عبدالقادر)، فتاویٰ عثمانی (مولانا مظہر الحق انصاری)، فتاویٰ عثمانی (مولانا سید منور الدین) ، مجموعہ آگرہ (مولانا نواب صدیق حسن خان)، فتاویٰ بے نظیر (مولانا عبدالغفار لکھنوی)، فتاویٰ نظامیہ اُندراویہ (مولانا نظام الدین اعظمی)، نظام الفتاویٰ (نظام الدین اعظمی)، فتاویٰ نظامیہ (نظام الدین حنفی)، فتاویٰ مظاہر علوم (مولانا خلیل احمد سہارنپوری)، امداد الفتاویٰ (مولانا اشرف علی تھانوی)، کفایت المفتی (مفتی کفایت اللہ دہلوی)، عزیز الفتاویٰ (مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی)، امداد الاحکام (مولانا ظفر احمد عثمانی)، فتاویٰ رحیمیہ (مفتی عبدالرحیم)، فتاویٰ محمودیہ (مفتی محمود حسن گنگوہی)، کتاب الفتاویٰ (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)، فتاویٰ عثمانی (مفتی محمد تقی عثمانی)، نوادر الفقہ (مفتی رفیع عثمانی)، فتاویٰ مفتی محمود (مفتی محمود)، خیر الفتاویٰ (مولانا خیر محمد جالندھری)، فتاویٰ رضویہ (مولانا احمد رضا خان بریلوی)، فتاویٰ مہریہ (پیر مہر علی شاہ)، فتاویٰ حامدیہ (مولانا حامد رضا خان)، فتاویٰ امجدیہ (مولانا امجد علی اعظمی)، فتاویٰ اجملیہ (مفتی اجمل قادری رضوی)، فتاویٰ مظہری (مفتی مظہر اللہ دہلوی)، ریاض الفتاویٰ (مولانا ریاض الحسن) ، فتاویٰ نعیمیہ (احمد یار خان نعیمی)، فتاویٰ نوریہ (مولانا نور اللہ بصیر پوری)، ضیاء الفتاویٰ (قاضی محمد ایوب)، احسن الفتاویٰ (مولانا خلیل احمد برکاتی)، فتاویٰ امینیہ (مولانا محمد امین)، احسن الفتاوی (مفتی رشید احمد لدھیانوی)، فتاویٰ قاسمیہ (مفتی

[26] بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، (لیڈن: 1886ء)، 50۔

[27] سید نوشہ علی، مسلمانان ہندوپاکستان کی تاریخ تعلیم (کراچی: 1962ء) 174۔

[28] معارف (اعظم گڑھ)، (فروری 1998ء): 94۔

شبیر احمد قاسمی)، کتاب النوازل (مفتی محمد سلمان منصور پوری)، فتاویٰ حقانیہ (مجموعہ فتاوی جامعہ حقانیہ)، فتاویٰ عثمانیہ (مجموعہ فتاوی جامعہ عثمانیہ)، فتاویٰ اویسیہ (مفتی فیض احمد اویسی)، فتاویٰ پاسبانی (مشتاق احمد نظامی)، فتاویٰ شیخ الاسلام (شیخ الاسلام حسین احمد مدنی)، جامع الفتاویٰ (مولانا مہربان علی)، فتاویٰ قاضی (مجاہدالاسلام قاسمی)، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (مفتی عزیز الرحمٰن)، فتاویٰ ریاض العلوم (مفتیان مدرسہ ریاض العلوم گورینی)، آپ کے مسائل اور ان کا حل (مولانا یوسف لدھیانوی)، آپ کے مسائل حل (مفتی محمد)۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار کتب فتاویٰ ہیں جو یا تو غیر مطبوعہ ہیں یا ایک ہی مرتبہ شائع ہوئے۔ اسی طرح دورِ حاضر میں بھی پاکستان، ہندوستان اور پڑوسی ممالک میں فتاویٰ کا کام جاری ہے اور اکابر علمائے کرام کے فتاویٰ مختلف کتب خانوں سے چھپ کر منظر عام پر آ رہے ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری کے مطابق اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہا اور اسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حد تک خدمتِ دین کی ذمہ داری کو محسوس کرتی رہیں، اس وقت تک ایک طرف محاکمِ عدلیہ قضا کا نظام جاری رہا اور دوسری طرف علمائے امت کے ذریعہ ہر وقت افتاء کا کام ہوتا رہا، اسلامی حکومتیں دارالقضاء کی طرح دارالافتاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں، آج بھی ان حکومتوں میں جنہیں پوری طرح اسلامی حکومتیں کہنا مشکل ہے، قضاء وافتاء کا نظام کسی نہ کسی حد تک قائم ہے۔ متحدہ کے فرنگی استعمار کا شکار ہو جانے اور اس کے ظلم وجبر کے شکنجے میں جکڑ جانے کے بعد بھی بہت سی اسلامی ریاستوں میں یہ نظام کسی حد تک قائم رہا اور بھوپال، ٹونک، بہاول پور وغیرہ میں سوائے حدود کے تمام فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوتے رہے۔ البتہ برٹش گورنمنٹ کے زیر نگیں علاقوں میں اسلامی قانون کو معطل کر دیا گیا، محاکم عدلیہ اٹھا دیئے گئے، ان کی جگہ تاج برطانیہ کی وفادار عدالتیں قائم ہوئیں، اسلامی حکومتوں کے قائم کردہ دارالافتاء برباد کر دیئے گئے، ان حالات میں امتِ محمدیہ ﷺ کے دور اندیش اکابرِ دین نے امت میں دین کے علمی و عملی اور اخلاقی واعتقادی نظام کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے دینی ادارے قائم کیے جن سے تعلیم و تبلیغ اور درس وافتاء کے چشمے جاری ہوئے۔ روزِ اوّل ہی سے ان کی تعلیم وتربیت علومِ انبیاءؑ کے مزاج کے مطابق "حضر صفت" اساتذہ کے انفاسِ قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے ذریعہ ہوتی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ علمی تبحر، اخلاقی بلندی اور عملی کمال کے ساتھ شریعتِ محمدیہ کی ذمہ داری کی نزاکتوں کا بھی پورا پورا احساس رکھتے تھے، انہیں یہ بات پوری طرح ملحوظ رہتی تھی کہ کل انہیں بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہے، اس لیے خدا خوفی اور فکرِ آخرت کے جذبے سے کسی کی رُو رعایت یا خوفِ ملامت کیے بغیر وہ ٹھیک ٹھیک احکام خداوندی بیان کرتے تھے۔[29]

یہ تمام فتاویٰ دراصل انیسویں اور بیسویں صدی کی علمی و فکری تحریکات، فسادات، مسلم معاشرت، سائنسی اور صنعتی انقلابات اور انگریزی ثقافت کے اثرات کا بہترین مطالعہ ہیں۔ ان فتاویٰ میں برصغیر کے بیانیہ ادب کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس دور کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فتاویٰ کا سنہری دور ہے۔ ان فتاویٰ کا اگر بغور

---

[29] ۔ مولانا یوسف بنوری، بصائر وعبر (کراچی: مکتبہ بینات، جامعہ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن)، 1، 16-17۔

مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مجموعی طور پر ان کے اسلوب میں یہ امور خاص طور پر سامنے آتے ہیں: 1۔ یہ فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے اقتصادی، معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرہ کے لوگ ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے؟ ہر دور کے فتاویٰ میں اس دور کا رنگ نظر آتا ہے ۔معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ ان مسائل کے حل کے لیے اس دور کے اہلِ علم نے کس نہج پر سوچ وبچار کی اور کن اصولوں کو پیش نظر رکھا؟ نیز ان فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر کتنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ 2۔قرآن و حدیث اور فقہی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ۔3۔اکثر عبارت بلاترجمہ دی گئیں ہیں جو عام مستفتی کے لیے غیر مانوس طریقہ ہے۔4۔ بعض فتاویٰ میں جدید مسائل کے حوالے لاعلمی کا اظہار ہے، جب کہ بعض دیگر فتاویٰ میں جدید مسائل پر نہ صرف بحث کی گئی ہے بلکہ اس سلسلے میں معاصر اہل علم کی آراء بیان کرنے کے ساتھ دلائل کا علمی محاکمہ بھی کیا گیا ہے، عقلی اور نقلی دلائل سے جدید اور پیش آمدہ مسائل کا قابل قبول اور قابل عمل حل پیش کیا گیا ہے۔ 6۔زبان اور اسلوب کے حوالے سے بھی قدیم فتاویٰ کی پیروی کی جاتی ہے۔ 7۔ان فتاویٰ میں اپنے پیش رو فتاویٰ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

سلطنت عثمانی کے زوال کے بعد فتویٰ

عثمانی سلطنت کا زوال مغرب کے عسکری وسیاسی غلبے اور نوآبادیاتی دور کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ اس دوران برصغیر اور دیگر کئی ممالک نوآبادیاتی نظام کے زیر تسلط آئے۔ سامراجی طاقتوں نے ان ممالک میں اپنے ملک کے قوانین پبلک لا کے طور پر رائج کیے، تاہم ذاتی زندگی میں مسلمان پرسنل لاء کی پابندی کرتے رہے۔ اس طرح کم از کم عائلی زندگی کی حد تک ان کا تعلق اسلامی قانون سے قائم رہا، یہ کام اس دور کے مفتیان نے سرانجام دیا۔

دارالافتاء کی باضابطہ ابتدا

جنوبی ایشیاء میں پہلا باضابطہ دارالافتاء مفتی رضا علی خان بریلوی نے 1831ء میں بریلی اترپردیش میں قائم کیا۔ 1862ء کے قریب جامع مسجد فتح پوری دہلی میں مفتی رحیم بخش الملقب شاہ محمد مسعود محدث دہلوی نے دارالافتاء قائم کیا۔[30] یکم جنوری 1887ء کو انجمن مستشار العلماء لاہور قائم ہوئی اور اس نے جدید واقعات کے بارے میں اہل علم سے مشورہ کرکے مختلف آراء کی روشنی میں کسی مسئلہ کے بارے میں متفقہ حل پیش کرنے کے لیے ایک جماعت پر مشتمل دارالافتاء قائم کیا۔[31] مئی 1867ء میں دیوبند میں مدرسہ قاسم العلوم قائم ہوا، جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے موسوم ہوا۔ یہاں فتوی نویسی کی ابتدا 1876ء میں ہو گئی تھی لیکن باقاعدہ دارالافتاء 1892ء میں قائم ہوا، روز اول سے اس دارالافتاء نے بہت زیادہ فتاویٰ جاری ہوئے، دستیاب ریکارڈ کے مطابق نومبر 1911ء سے 1999ء تک

---

[30] فتاوی مسعودی، محمد مسعود احمد، حیات مسعودی (کراچی: 1987ء)، 42۔

[31] مجموعہ فتاوی صابریہ (لاہور: انجمن مستشار العلماء، 1907ء)، 1: 4۔

یہاں سے سات لاکھ سے زائد فتاویٰ جاری ہوئے۔[32] اس کے ان دارالافتاء کے طرز پر مختلف چھوٹے بڑے شہروں میں دارالافتاء کا جال بچھ گیا۔انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں کروڑوں کی تعداد میں فتاویٰ جاری ہوئے، یہ فتاویٰ اردو، عربی، انگریزی، فارسی، ہندی، پشتو کے علاوہ دیگر زبانوں میں جاری ہوئے اور یہ سلسلے ابھی تک جاری ہے۔ان فتاوی میں زیادہ تر فتاویٰ ضائع ہو چکے ہیں اور بہت کم محفوظ رہ سکے ہیں،اور جو محفوظ ہوسکے ہیں ان میں بھی بہت کم مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔جو فتاوی زبانی جاری کیے گیے ہیں ان کا تو شمار ہی نہیں۔آج کی جدید دنیا میں میں پرنٹ اور الیکٹرنک میڈیا کے علاوہ فون کے زریعے مستفتی مفتیان کرام سے مسائل پوچھتے رہتے ہیں اور وہ انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں جوابات دے کر فن فتوی نویسی کی تاریخ میں نئے باب کااضافہ کررہے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں

نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوااور مسلم ممالک نے آزادی کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ملکی قوانین کا جائزہ لیں۔اس حوالے سے کئی ادارے وجود میں آئے، جیسے: اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)، ادارہ تحقیقات اسلامی (پاکستان)، ہیئۃ کبار العلماء (سعودی عرب)، المجمع الفقہ الاسلامی (سعودی عرب)، اسلامک فقہ اکیڈمی (ہندوستان)، ادارہ مباحث فقہیہ (جمعیۃ علماء ہند)، امارت شرعیہ پھلواری شریف (ہندوستان)، مجمع البحوث الاسلامیہ (مصر)، مجمع الفقہ الاسلامی (جنوبی امریکہ)۔ان اداروں کے علاوہ بھی کئی دیگر ادارے اس پر کام کررہے ہیں اور جدید مسائل کے حوالے سے ان کے اجتماعی فتاویٰ یعنی قرار دادیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ان اداروں کے باوجود نجی سطح کے فتاویٰ بھی اب دینی مدارس کے تحت لوگوں کی رہنمائی کررہے ہیں جو عدالتی نظام میں کسی حدتک قابلِ قبول ہیں، مگر عملی طور پر عدالتی نظام میں ان کا بہت زیادہ کردار نہیں ہے،اس کے باوجود لوگ ان نجی فتاویٰ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔

فتوی نویسی کا یہ عمل روز اول سے خالصتا رضائے الہی کے لیے بغیر کسی معاوضے کے سرانجام دیا جاتا رہاہے،اس لیے عام طور پر فتویٰ جاری کرنے والے حضرات نے ابتدااس کی ترتیب وتدوین کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔فتاویٰ کو جمع کرنے کی ابتداء کب سے ہوئی؟اس بارے میں کوئی حتمی بات تو نہیں کہی جاسکتی تاہم اگر فتاوی کے دستیاب انفرادی اور اجتماعی مجموعوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 1857ء کے بعد ہی سے علمائے کرام ومفتیان عظام نے ان فتاوی کا ریکارڈ رکھنا شروع کیا ہوا ہے۔ان مجموعہ ہائے فتاویٰ کے علاوہ، مختلف علمااور فقہا نے بعض مسائل پر جو طویل اور مستقل فتاویٰ دیے ہیں،ان میں سے بعض موضوع کی مناسبت سے علیحدہ طور پر کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

فتویٰ نویسی کے اس سارے عمل میں ایک بات نمایاں ہے کہ اگرچہ لوگ بعض نئے پیش آنے والے حالات ومسائل کے بارے میں دارالافتاء سے مسائل پوچھتے ہیں تاہم ان کی اصل دلچسپی کا میدان آج بھی عقائد، ارکان اسلام، باہمی معاملات ،مناکحات اور میراث وغیرہ ہی ہیں۔انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں شائع ہونے والے فتاوی کا معتد بہ حصہ انہی

---

[32] مولانا محمد طیب، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی (بھارت: دارالعلوم دیوبند، 1965ء)، 30۔

ابواب سے متعلق مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے۔اس لیے دور حاضر میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے علماء کو کئی جدید چیلنجز کا سامنا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: (1) عقائد وعبادات: قادیانیت، رویئت ہلال، توہین رسالت کی سزا اور ان جیسے معاملات سے متعلق فتاویٰ۔ (2) طبّی وسائنسی مسائل: خاندانی منصوبہ بندی، اعضاء کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور کلوننگ، ایڈز اور ان جیسے سے دیگر مسائل سے متعلق احکام وغیرہ۔ (3) قانون سازی: ملکی قوانین کو اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنا، مثلاً حدود اورر قصاص ودیت کے مسائل اور ان جیسے سے دیگر مسائل سے متعلق احکام۔ (4) جدید ایجادات: ٹی وی، انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور دیگر جدید ایجادات کی شرعی حیثیت اور ان کے استعمال اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کے حدود و قیود کا تعین کرنا۔ (5) اقتصادی مسائل: انشورنس، اسٹاک ایکسچینج، کریڈٹ کارڈ، زکوۃ کسی ادائیگی کا مسئلہ، سود اور بینکاری اور ان جیسے دیگر امور کی شرعی حیثیت کا تعین کرنا۔ (6) عائلی زندگی: عائلی زندگی سے متعلق احکام یعنی نکاح، طلاق، خلع اور وراثت کے مسائل، اس سلسلے میں پاکستانی قانون کا نفاذ اور پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے متعلق مسائل واحکام اور ان مسائل کا شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے آسان اور قابل عمل حل۔

خلاصہ بحث

جس طرح علمائے کرام نے قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ سے متعلقہ علوم وفنون کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اسی طرح فقہ و افتاء میں بھی ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔انھوں نے اپنے مجموعہ ہائے فتاویٰ کے ذریعے مسلمانوں پر خصوصا اور اردودان طبقہ پر عموما بڑا احسان کیا ہے۔ان خدمات کے ذریعے ان اہل علم نے نہ صرف فتاویٰ کے ادب میں اضافہ کیا ہے بلکہ ایک کامیاب اور بامقصد اسلامی طرز زندگی کے لیے واضح ہدایت اور منہاج کو بیان کیا ہے۔ عہدِ وسطیٰ کے بالمقابل عصر جدید کے فتاویٰ ادب میں ایک خوشگوار تبدیلی یہ آئی ہے کہ اس وقت کے بیشتر فتاوی، دارالافتاء کے مستحکم ومنظّم انتظام وانصرام کی مرہون منت ہیں، انفرادی کوششیں اس پر مستزاد ہیں۔عہد وسطی کے عربی فقہی ذخائر اور معاصر دور کے اردو فقہی ادب کا تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت ہمارے سامنے نکھر کر آجاتی ہے کہ اردو ذخیرہ کتب میں موضوعات کی ندرت اور مسائل کی ہمہ جہتی کے نتیجہ میں اجتہاد کا نسبتاً زیادہ استعمال ہوا ہے۔عہد سلطنت کے عربی فقہی سرمائے میں سماجی و معاشی مسائل میں تنوع اور فقہی اختلاف بہت زیادہ نہیں۔اسی طرح مسلکی تعصب اور تکفیری فتاویٰ جو معاصر فتاویٰ ادب میں نمایاں نظر آتا ہے، عہد وسطیٰ کا عربی فقہی ادب بہت حد تک ان کیفیات سے پاک نظر آتا ہے۔اجتہاد اجتماعی کی طرف موجودہ دور کے اہل علم کی توجہ زیادہ ہوگئی ہے۔المجمع الفقہ الاسلامی سعودی عرب، اسلامک فقہ اکیڈمی ہندوستان، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان، مجمع البحوث الاسلامیہ مصر، ہیئۃ کبار العلماء سعودی عرب، مجمع الفقہ الاسلامی جنوبی امریکہ جیسے اداروں کا قیام اس طرف ایک واضح پیش قدمی ہے۔ان اداروں سے پیش آمدہ اور جدید مسائل اور ان کے متفقہ حل کے لیے ابھی تک بیسیوں عالمی سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، اور سلسلے میں جو مقالات پیش کیے جاچکے ہیں وہ فقہی اور فتاویٰ ادب میں ایک وقیع اضافہ ہے۔